(غلام گردش)

کوہاٹ کی حنا شاہنواز

حنا شاہنواز کی کیا عمر تھی۔بس ستائیس برس۔اتنی کم عمری میں ذہنوں میں آنے والے دنوں کے خواب ہوتے ہیں۔گھر اور پُرسکون سی ازدواجی زندگی۔ان خوابوں میں کتنی حقیقت ہوتی ہے، یہ الگ بات ہے۔اسلیے کہ ہمارے معاشرے میں نوے فیصد شادیاں عجیب سی ہوتی ہیں۔دوانسان جوایک دوسرے کیلئے تقریباً اجنبی ہوتے ہیں، یک دم ایک مضبوط بندھن میں باندھ دیے جاتے ہیں۔اسکے بعد دونوں کے اپنے نصیب اور غم۔مگر حنا کی زندگی میں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔کچھ بھی نہیں۔

کوہاٹ سے تعلق رکھنے والی لڑکی کے والد کو شوق تھا کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکے۔کوئی اچھی ملازمت کر سکے۔دنیا میں اپنا کوئی بہتر مقام بنائے۔یہ ساری دراصل وہ محرومیاں تھیں جو والد کے مقدر میں آئی تھیں۔چاہتا تھا کہ اولاد اس بے چارگی سے دور رہے جس میں خود پوری زندگی گزارتا رہا ہے۔غربت، جہالت اور بے بسی کی ازلی چکی سے دور رکھنا چاہتا تھا۔یہ الگ بات ہے کہ اس عظیم ملک میں جہالت اوج اقتدار پر ہے اور علم نور ہونے کے باوجود اپنا جائز حق مانگ رہا ہے۔مالی پریشانیوں کے باوجود حنا نے فلسفہ میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی۔سوچتا ہوں کہ اس بچی نے فلسفہ کیوں پڑھا۔معاشرے کے منافق ورق کیوں نہ پڑھ پائی۔فلسفہ کی تعلیم نے اس لڑکی کو قوت دی کہ اپنے خاندان کی تلوار اور ڈھال بن جائے۔تعلیم مکمل کرنے کے بعد حنا نے ایک این جی او میں ملازمت کر لی۔یہ اسکا دوسرا جرم تھا۔پہلا جرم ایک نیم خواندہ معاشرے میں تعلیم حاصل کرنا تھا۔ان دو بھیانک جرائم کی وجہ سے عزیز و اقارب کافی ناراض رہتے تھے۔اس اثناء میں والد بیمار ہو گیا۔شدید بیمار۔علاج معالجہ کس سطح کا ہوگا۔اس پر بات کرنی عبث ہے۔معلوم ہوا کہ کینسر ہو گیا ہے۔حنا کا دنیاوی امتحان اب سخت ہوتا چلا گیا۔مالی تنگی کی وجہ سے والد کو آہستہ آہستہ مرتے دیکھتی رہی۔معاشرے میں ویسے اصل جرم غربت ہی ہے۔باقی ساری باتیں حکایتیں اور مفروضے ہیں۔اگر آپ امیر ہیں تو مصائب ویسے ہی آپ سے ڈرتے رہینگے۔اگر آپ غریب ہیں تو آپ ہر پل مصائب سے گھبراتے رہینگے۔خیر حنا کا والد جس مالی سطح پر تھا، اسے مرنا ہی تھا۔لہذا وہ مر گیا۔کوئی نام، کوئی جاگیر، کوئی فیکٹری چھوڑے بغیر۔اب حنا پر ذمہ داری آ گئی کہ اپنے خاندان کا خیال کرے۔رشتہ دار والد کے مرنے پر افسوس کرنے ضرور آئے۔مگر سطحی سی رسم پوری کرنے کے بعد غائب ہو گئے۔کسی نے نہیں پوچھا کہ ان یتیموں کا حال کیا ہے۔انکا چولہا جل بھی رہا ہے کہ نہیں۔ہمارے ہاں، کسی بھی مرگ پر افسوس کرنے کی روایت انتہائی سطحی اور کھوکھلی سی ہے۔ایک روٹین اور ایک سماجی ذمہ داری سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔خوش قسمتی سے اسے این جی او میں نوکری والد کی زندگی کے آخری دنوں میں مل چکی تھی۔اب سارا بوجھ اس کے نازک کندھوں پر تھا۔

فارسی کے عظیم شاعر عرفی شیرازی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ آسمان سے جو بھی بلا زمین پر اترتی ہے، سب سے پہلے صرف ایک سوال کرتی ہے کہ عرفی کا گھر کدھر ہے۔یہ دراصل یہ نایاب شاعر کے ایک شعر کا مفہوم ہے۔حنا کے ساتھ دراصل ہر المیہ بالکل اسی مفہوم کے مطابق برپا ہوا۔کوئی ایسا دکھ نہیں جس سے نہ گزری ہو۔شائد اکثر انسان دنیا میں پیدا ہی اسلیے ہوتے ہیں کہ غموں کی بھٹی میں جلتے جلتے راکھ ہو جائیں۔ویسے تو ہمارا ملک صرف اور صرف چند ہزار لوگوں کیلئے بنا ہے یا بنا دیا گیا ہے۔باقی کروڑوں لوگ بے معنی سے ہیں

اورانکے رویوں سے سماج کی عملی صورتحال پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

معنی نہیں میسر کسی کام میں یہاں

اطاعت کریں تو کیا ہے بغاوت کریں تو کیا (منیر نیازی)

حنا کا شادی شدہ بھائی ایک ادنیٰ سے جھگڑے میں قتل ہوگیا۔ بیوہ بھابھی اور بچے بھی اب حنا کی ذمہ داری بن گئے۔ ویسے تو بھائی ہمارے معاشرے میں معاشی بوجھ اُٹھاتے ہیں مگر کوہاٹ کے اس خاندان میں ہر بوجھ آہستہ آہستہ گھر کی واحد کمانے والی لڑکی پر پڑ رہا تھا۔ اسکی بہن قدرے آرام سے شوہر کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی۔ اچانک شوہر نے خودکشی کر لی۔ اپنے آپکو تو مار ہی دیا مگر ساتھ بیوی بچوں کو بھی مکمل طور پر غیر محفوظ کر ڈالا۔ بہن کے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ شوہر کی خودکشی کا زخم لیکر وہ بھی آبائی گھر واپس آ گئی۔ اس گھر میں اسکا بھائی تو نہیں تھا۔ والد بھی نہیں تھا۔ مگر اسکی بہن حنا ضرور موجود تھی۔ اب بہن اور اسکے بچے بھی حنا کی ذمہ داری بن گئے۔ مالی وسائل بڑے محدود سے تھے۔ تھوڑی سی زمین اور بس۔ حنا نے آبائی جائیداد کو اونے پونے دام بیچ دیا۔ جو روپیہ ٹکا ملا، اسکو گھر پر خرچنا شروع کر دیا۔ تنخواہ بھی مختصر سی تھی۔ لہذا کبھی چولہا جلتا تھا اور کبھی نہیں۔ مگر حنا اب خاندان کی سربراہ تھی۔ ایک رول ماڈل تھی۔ ستائیس برس کی عمر میں سارے عذاب جھیل رہی تھی جو لوگ تمام عمر کیلئے بچا کر رکھتے ہیں۔ حنا کی شادی کی عمر تو تھی، مگر ذمہ داریاں اس درجہ زیادہ تھیں کہ شادی کرنا ناممکن ہو چکا تھا۔ عزیز و اقارب اس حق میں تھے ہی نہیں کہ لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی جائے۔ حنا کی تعلیم اسکے لیے ایک طعنہ بنا دی گئی۔ اسکے علاوہ این جی او میں نوکری اسکا جرم بن گیا۔ رشتہ دار باتیں بناتے تھے کہ وہ خراب ہو چکی ہے۔ مغرب زدہ ادارے میں کام کر رہی ہے۔ خاندانی روایات سے مکمل طور پر انحراف کیا ہے۔ حنا خاندان میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔ بہرحال یہ صورتحال رشتہ داروں کیلئے قابل قبول نہیں تھی۔ چاہتے تھے کہ حنا کی شادی خاندان ہی میں کر دی جائے۔ چنانچہ حنا کیلئے اسکے کزن کا رشتہ بھجوایا گیا۔ یہ لڑکا نہ صرف اَن پڑھ تھا بلکہ مکمل طور پر جاہل تھا۔ اَن پڑھ ہونا جرم نہیں۔ زندگی میں بہت سے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو کسی مجبوری کی وجہ سے پڑھ نہیں پاتے مگر انہیں جاہل نہیں کہا جا سکتا۔ تربیت اور تہذیب انکو وہ طرزِ فکر عطا کرتی ہے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ پڑھے لکھے نہیں۔ کزن کی تعلیم شائد میٹرک تھی۔ حنا سوچتی رہی۔ اس پر بہت زیادہ ذہنی دباؤ ڈالا گیا کہ ہاں کر دے۔ مگر گھریلو حالات اور تعلیم کے مدِ نظر وہی فیصلہ کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ کزن سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ جب اس شخص کو پتہ چلا کہ شادی سے انکار ہو چکا ہے تو بے انتہا بے عزتی محسوس کی۔ انکار اسکے لیے نا قابل قبول تھا۔ ویسے بھی ہمارے معاشرے میں جہاں بچیوں کو سوچنے کی اجازت ہی نہیں ہے، وہاں انکار کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تو لڑکیوں کو اکثر والدین بوجھ سمجھتے ہیں۔ بچپن سے انہیں پرایا دھن کہا جاتا ہے۔ بات بات پر سمجھایا جاتا ہے کہ اگلے گھر میں جا کر کیا کرنا ہے۔ کیسے رہنا ہے۔ اگر شادی کے بعد عذاب سی زندگی بھی ہو، تب بھی والدین کہتے ہیں کہ قربانی دیدو۔ عذاب جھیلتی رہو مگر واپسی کا مت سوچو۔ تمام روایتی معاشرے بالکل ایک جیسے پسماندہ ہیں۔ جذباتیت اور مغالطہ کی بنی ہوئی گرد میں گم۔ حنا کا انکار بالکل جائز تھا۔ مگر لڑکا اس انکار پر حد درجہ طیش میں آ گیا۔ ہمارے معاشرے میں طیش ہمیشہ مضبوط فریق کو کمزور فریق پر ہی آتا ہے۔ آج تک سننے میں نہیں آیا کہ کسی مسکین نے کسی طاقتور پر غصہ کرنے کی ہمت کی ہے۔ جذبات میں

بپھرا ہوا نوجوان گھر آیا۔پستول سے چار فائر حنا پر داغ دیے۔لڑکی وہیں جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔اس بے گناہ کو قتل کر دیا گیا۔حنا کو کیا، اسکے ساتھ منسلک بیوہ بہن، بیوہ بھابھی اور بچوں کو بھی عملاً مار دیا گیا۔حنا کو قتل کرنے کے بعد نوجوان فرار ہو گیا۔کوہاٹ کے بالکل نزدیک قبائلی علاقہ ہے۔کون اسے پکڑے گا۔کون سزا دیگا، کب دیگا، یہ سارے اب محض سوالات ہیں۔کسی کے پاس ان سوالات کا ٹھوس جواب نہیں۔بہر حال حنا مار دی گئی۔اسکے جرائم اعلیٰ تعلیم، این جی او میں نوکری، گھر کی کفالت اور رشتہ سے انکار تھے۔شائد ہمارے سماج میں یہ جرائم نا قابل معافی نہیں بلکہ قابل تعزیر ہیں۔

خون ناحق نے ہمارے منافق معاشرے کی اصل صورت پیش کر دی ہے۔اس قتل پر دکھ ضرور ہے مگر کوئی حیرت نہیں ہے۔اسلیے کہ ہم عورت کو مرد کے برابر مقام دینے کیلئے تیار ہی نہیں۔عمومی سوچ کی بات کر رہا ہوں۔لازم ہے کہ اب ایسے بہت سے خاندان ہیں جہاں بچیوں کو جدید تعلیم سے آراستہ کیا جاتا ہے۔زندگی کے بنیادی فیصلہ کرنے کے اختیار بھی دیا جاتا ہے۔مگر اتنی منصفانہ سوچ رکھنے والے افراد بہت کم ہیں۔آٹے میں نمک سے بھی کم۔متعدد چہروں والی سوسائٹی میں ذات، برادری اور اونچ نیچ کو اَن لکھے قانون کا درجہ حاصل ہے۔کوئی اس سے اجتناب کرے تو اسے ادنیٰ سمجھا جاتا ہے۔طعنے دیے جاتے ہیں۔کوئی نہیں سوچتا کہ پڑھی لکھی لڑکی کی اَن پڑھ لڑکے سے شادی ایک ذاتی المیہ کو جنم دیتی ہے۔ایک ایسی آگ جس میں لوگ دہائیوں جلتے رہتے ہیں۔

اب این جی او کی طرف آیئے۔عمومی خیال یہ ہے کہ یہ تمام تنظیمیں بیرونی طاقتوں کی ایجنٹ، ملک دشمن، مذہب کے خلاف اور لادین رویے کی مالک ہیں۔ہوسکتا ہے کہ چند تنظیمیں ایسی ہوں۔مگر کیا تمام این جی اوز کو گالی نکالنا قرینے انصاف ہے۔کیا واقعی یہ ہمارے پسماندہ ترین علاقوں میں اچھا کام نہیں کر رہیں۔کیا تعلیم، صحت، خاندانی منصوبہ بندی، چھوٹے روزگار فراہم کرنے پر انکی جائز تعریف نہیں ہونی چاہیے۔جس ملک میں ستر برس سے ہر حکومت لوگوں کو کامیابی سے مسلسل بیوقوف بناتی رہی ہیں، کیا اس میں یہ شعبہ مثبت ہوا کا جھونکا نہیں ہے۔جہاں سرکار اپنی بنیادی ذمہ داریاں ادا کرنے میں ناکام رہے، کیا وہاں این جی اوتنظیموں کو آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔مگر نہیں ہم دنیا کے مشکل ترین لوگ ہیں۔نہ خود کام کرتے ہیں، نہ کسی کو کام کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ہمارا معاشرہ دومنہ والا اژدھا ہے جو محنت کرنے والی بچیوں کو زندہ نگلتا رہیگا۔یہاں جہالت کی گولیوں سے حنا جیسی لڑکیوں کو ان تمام جرائم کی سزا دی جائیگی، جو انہوں نے سماجی بغاوت کے زریعے سرانجام دیے ہیں۔ہمارے ہاں لڑکیوں کیلئے تعلیم، روزگار، این جی او میں نوکری اور اَن پڑھ آدمی سے شادی سے انکار قابل قتل جرم ہیں۔کوہاٹ کی حنا شاہنواز کو ٹھیک سزا ملی ہے!

راؤ منظر حیات